دبستان دہلی

اردو ادب میں مختلف دبستان پائے جاتے ہیں۔ان دبستانوں کا اپنا اپنا ادبی رجحان اور ٹرینڈ رہا ہے اور اسی سے ان کی پہچان قائم ہوتی ہے۔دبستان دراصل مکتب فکر کو کہتے ہیں۔چند شعرا کسی مرکز پر جمع ہو کر ایک تہذیب ، زبان اور رجحان کے تحت جب شاعری کرتے ہیں تو دبستان قائم ہوتا ہے۔مثال کے طور پر دبستان لکھنؤ کا ایک اپنا رنگ ہے جس پر وہاں کی تہذیب وتمدن کا اثر ہے اور وہاں کی زبان کے اثرات ہیں جب کہ دہلی دبستان کی بات کریں تو دہلوی شاعری پر دہلوی زبان اور وہاں کی تہذیب کا رنگ و اثر ہے۔اس رنگ میں موضوعات کا بھی دخل ہوتا ہے۔اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ دہلی پر بار بار حملے ہوتے رہے، دہلی اجڑتی رہی، دہلی کے باشندے جن حالات سے دوچار ہوتے رہے وہ کربناک تھے، زندگی کا چین وسکون چھن گیا تھا، اس بات نے دہلی کے باشندوں میں دردمندی پیدا کردی اور تصوف کی طرف مائل بھی کیا۔اس کے برعکس لکھنؤ میں فارغ البالی تھی تو شعرا میں بھی کھل کھیلنے کا انداز آ گیا۔یہاں کے شعرا دلی کیفیات اور واردات قلبی کا دردمندانہ اظہار کرنے کے بجائے ظاہری حسن پر توجہ دینے لگے۔آسائش اور عیش وعشرت کی زندگی میں جہاں ہنسی کے فوارے چھوٹتے ہوں وہاں احساس درد وکرب کا گزر کہاں ہو سکتا ہے؟ شاعری کے اس رنگ کو ہم داخلیت اور خارجیت کے نام سے جانتے ہیں۔دہلی کے شعرا نے اپنے دلی جذبات وکیفیات کا اظہار دردانگیزی کے ساتھ اپنی شاعری میں کیا ہے جسے داخلیت کہتے ہیں جب کہ لکھنوی شاعری جس نوعیت کی رہی ہے اسے خارجیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہاں غرض دبستان دہلی سے ہے۔سو بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ دبستان دہلی کی شاعری دراصل داخلی کیفیات کے اظہار کا نام ہے۔ اس شاعری میں درد وکسک اور آہنگ میں سوز وگداز کی ایک زیریں لہر پائی جاتی ہے۔اس کی بین مثال میر تقی میر ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کسی بھی دبستان کی بنیاد اس مرکز کی تہذیب ، زبان اور شاعری کے موضوعات سے قائم ہوتی ہے۔دہلی دبستان کو سمجھنے کے لئے اس عہد کے سماجی اور سیاسی صورت حال کو بھی سمجھنا ہوگا۔دہلی مغلیہ سلطنت کا مرکز تھی۔اور یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی۔اس لئے شعرا فارسی زبان میں ہی شاعری کرتے تھے۔حالانکہ اردو زبان کے وجود میں آنے کے بعد کچھ شعرا اس زبان میں بھی شعر کہہ رہے تھے لیکن یہ محض تفنن طبع کے لئے تھا۔ان شعرا کا خیال تھا کہ شاعری میں جن لطیف جذبات واحساسات کا اظہار کیا جاتا ہے ان کا اظہار اس زبان میں نہیں ہو سکتا۔لیکن ولی دکنی کی دہلی آمد اور اس کی شاعری کے جوہر دیکھنے کے بعد شعرا نے اس بات کو محسوس کیا کہ اس زبان میں بھی لطیف جذبات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ولی کی شاعری نے شمالی ہند کے شعرا پر خاطر خواہ اثرات مرتب کئے تھے۔جس کے بعد دہلی کے شعرا نے اس جانب توجہ دی۔لیکن چونکہ یہاں پہلے سے فارسی زبان رائج تھی اسلئے اردو شاعری پر فارسی کا اثر نمایاں رہا۔فارسی تراکیب، تشبیہات واستعارات کا اردو شاعری میں کثرت سے کیا گیا۔یہاں تک کہ موضوعات بھی فارسی شاعری سے لئے گئے۔ فارسی شاعر کے موضوعات میں عشق کو اہمیت حاصل رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کلاسیکی اردو شاعری میں عشق ومحبت کی باتیں ہی کی جاتی رہی ہیں۔ اور عشق بھی اس نوعیت کا جس میں معشوق ہمیشہ ظالم اور عاشق ہمیشہ مظلوم رہا ہے۔معشوق بے وفا اور ہرجائی تصور کیا گیا ہے جب کہ عاشق باوفا صادق اور جان دینے والا ہوتا ہے۔رشید احمد صدیقی نے بڑے دلچسپ انداز میں اردو شاعری کے عاشق کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''اردو شعر وشاعری میں عاشق کے کارٹون بہ کثرت ملیں گے۔مثلاً لاغر ہوتے ہوتے شکن بستر ہو جانا یا سوکھ کر چلمن کی تیلی بن جانا جس کی وجہ سے پردے کے مقاصد نہ پورے ہوتے ہوں، ناتوانی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دمِ عیسیٰ بھی

پیام مرگ ثابت ہوتا ہے۔ پھربھی یہ ہے کہ عاشق کے سارے اعضا اسکریو پر ہوتے ہیں جس کے جی میں آتا ہے اڑا لے جاتا ہے اور یہ زندہ رہتے ہیں۔شراب پینے میں ان کا ثانی نہیں، مر کے جی اٹھنا، ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل، جو منھ میں آئے کہہ جائیں اور جہاں جی چاہے مار کھا جائیں۔ ہرقسم کے مرض میں مبتلا ملیں گے۔اور ہر جگہ موجود رہنے پر اصرار کریں گے۔غور توفرمائیے خط بڑھا ہوا ہے۔ ہرقسم کے متعدی مرض میں مبتلا، دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں کوئی فاصلہ باقی نہیں، منھ سے وہ بھبکے نکلتے ہوں کہ نکیرین بھاگ جائیں، تن بدن لہولہان، بغل میں لپٹا ہوا بستر، آنکھوں میں کیچڑ، پیچھے پیچھے رقیب، ناصح محتسب اور آپ رپ دان دنکل کی ذریات کا ہجوم، آخر اس قسم کی متحرک میونسپلٹی کو کوئی کیوں قریب آنے دے۔''

دوسری طرف عاشق محبوب کی تعریفیں کرتا جاتا ہے اور اس کے تیر مژگاں کا زخمی اور اس کی زلفوں کا اسیر ہونے کا دم بھرتا ہے۔اس کی چال کو قیامت سے تعبیر کرتا ہے، اس کی ابرو کو کمان کہتا ہے اور اس کے رخسار کو آئینہ، اس کے تبسم کو بجلی، اس کی آنکھوں کو نرگس اور اس کے ناز و انداز کو قاتل کہتا ہے۔اردو شاعری میں یہ سب چیزیں فارسی شاعری سے آئیں اور اردو شعرا نے ان کا استعمال بے کم و کاست کیا۔ فارسی شاعری میں عشق حقیقی کو اہمیت تو دی گئی لیکن اس کے لئے عشق مجازی کو ضروری قرار دیا گیا۔ایسے میں امرد پرستی بھی رائج ہوئی اور اسے معیوب نہ سمجھا گیا بلکہ صوفی باصفا اور علما و بزرگوں کا بھی یہی وتیرہ رہا اور اسے ضروری خیال کیا۔صوفیا کا طریقہ قرار دیا گیا۔حالانکہ عشق کی یہ صورت حال آگے چل کر بدلی بلکہ بگڑ گئی لیکن اردو کلاسیکی شاعری کا یہ اہم ترین موضوع رہا ہے۔اس کے ساتھ اپنی بدنصیبی اور کم مائیگی کے لئے آسمان کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔اس کی شکایت کھلے لفظوں میں کی گئی۔معشوق کے ساتھ اسے بھی ستم پیشہ کہا گیا۔زمانے کا شکوہ بھی اردو شاعری کا محبوب موضوع رہا ہے۔دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی ناپائیداری کے ساتھ زاہد کا تمسخر اور واعظ کی تنقید اردو شاعری کے ازلی موضوعات رہے ہیں۔ چونکہ اردو شاعری میں فارسی کی طرح تصوف کے مسائل بھی بیان ہوتے رہے ہیں اس لئے فنا اور بقا کی باتیں بھی شرح و بسط کے ساتھ کی جاتی رہی ہیں۔

یہ تمام موضوعات دہلی دبستان کی شاعری میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ چونکہ دہلی دارالسلطنت تھی اور پے بہ پے دشمنوں کے حملے کی زد میں رہی اور اس کی وجہ سے دہلی والوں کی دنیا بار بار تباہ و برباد ہوتی رہی۔ان حالات نے اردو شاعری کو متاثر کیا اور شعرا نے حالات زمانہ کا بھی اپنی شاعری میں ذکر کیا۔شہر آشوب لکھے اور زمانے کی کج روی کا گلہ کیا۔

یہاں ایک فرق یہ سمجھنا ہوگا کہ دہلی ہو یا لکھنو شعرا نے عشق کے موضوع کو اولیت کے ساتھ اپنی غزلوں کا موضوع بنایا لیکن یہ عشق دہلی میں درد و غم سے عبارت ہے تو لکھنو میں عیش و عشرت کا بہانہ۔لکھنو کا شاعر اگر کہتا ہے:

شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا
ہر شب شب برات ہے ہر روز روز عید
سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں ڈال کر

تو دہلی کا شاعر اسی مجازی عشق کا اظہار اس انداز میں کرتا ہے

پاس ناموس عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے
لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو
میں جو دیکھا بڑی مصیبت ہے

جذبات عشق کا یہ اظہار تصوف کے پردے میں بھی ہوا ہے۔میر درد دبستان دہلی کے معروف صوفی شاعر ہیں۔ان کا ایک شعر دیکھیں:

جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

دہلی کی سیاسی اور سماجی صورت حال ابتر ہونے کے سبب شعرا بھی حزن و یاس اور مایوسی کے شکار رہے جس کا اظہار بکثرت کیا گیا ہے۔ظاہری بات ہے کہ جب نفانفسی کا عالم ہو تو کس کو عیش کی فکر ہو سکتی ہے۔ مایوسی اس کا مقدر ہو سکتی ہے۔ مایوسی تھکے ہارے لوگ تصوف کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ دہلی کی شاعری میں تصوف کا جو رنگ پایا جاتا ہے اس میں اس صورت حال کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ یہ بات درد تک ہی محدود نہیں ہے۔ میر ہوں کہ غالب ان کے یہاں بھی تصوف کے مسائل زندگی کا عارضی ہونا اور دنیا کی بے ثباتی کا رنگ نمایاں ہے۔میر کہتے ہیں:

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

یہ الگ بات ہے کہ غالب جیسا حوصلہ مند شاعر ان مایوسیوں اور محرومیوں سے ٹوٹتا اور بکھرتا نہیں ہے بلکہ اسے ہی جینے کا سہارا بنالیتا ہے۔غالب جب یہ کہتا ہے کہ

اُگ رہے ہیں درودیوار پر سبزہ غالب
تم بیاباں میں ہو اور گھر میں بہار آئی ہے

تو اپنی مایوسیوں اور محرومیوں کا مضحکہ اڑا کر ہر حال میں خوش رہنے اور زندہ رہنے کا سلیقہ پیدا کر لیتا ہے۔

لیکن یہ حوصلہ سب کے بس کی بات نہیں۔ اکثر شعرا مایوسی کے شکار ہوئے اور تصوف کے دامن میں پناہ لی۔ان میں میر تقی میر کا نام سر فہرست لیا جا سکتا ہے۔مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حالات کا یہ رخ شاعر کو داخلیت اور واقعیت وصداقت کی طرف موڑتا ہے۔اس کا واضح ثبوت دبستان دہلی کی شاعری کی ہے۔زندگی اگر دشوار نہ ہو تو اس قسم کے اشعار نہیں کہے جا سکتے ۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب دل دلی بن جاتا ہے اور شاعر کی زبان سے بلا تکلف یہ ادا ہے کہ

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

ان حالات کی ایک بڑی دین یہ ہے کہ شعرا کے یہاں غلو اور مبالغہ کی آمیز کم نظر آتی ہے اور واقعیت ان کی شاعری میں رچی بسی ہوئی نظر آتی ہے۔دہلی کے شعرا کے یہاں واقعت اور صداقت کی مثالیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

تم میرے پاس ہوتے گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ان اشعار میں واقعیت وصداقت کے ساتھ سادگی کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔سادگی اردو شاعری کا وہ جوہر ہے جس سے شعر میں حسن پیدا ہوتا ہے اور شعر حسب حال معلوم ہوتا ہے۔شاعر جب بات اس انداز سے کہتا ہے کہ اس کے سمجھنے میں قاری کو مشقت نہیں کرنی پڑتی اور تشبیہ واستعارے کا زیادہ استعمال نہیں ہوتا، عام فہم اور بول چال کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی فلسفیانہ موشگافی نہیں ہوتی جس کے بعد قاری براہ راست شاعری کے خیال تک پہنچ جاتا ہے۔مثلاً

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

خلاصۂ کلام یہ کہ دبستان دہلی کی شاعری داخلیت اور سادگی کی شاعری ہے جس میں درد و کسک، حزن و یاس اور حقیقت وصداقت کا حسن نظر آتا ہے۔معروف ناقد نورالحسن ہاشمی بجا طور پر کہتے ہیں کہ:

”دہلویت ایک خاص افتادِ ذہنی یا مزاج شعری کا نام نہیں ہے جس کا اظہار مخصوص تمدن وشہری اثرات کی وجہ سے ہوا۔دہلی کا شاعر غمِ روزگار کا ستایا ہوا غم عشق کا مارا ہوا ہے۔اسی لیے اس کے کلام میں دونوں کی کسک اور کھٹک پائی جاتی ہے۔سیاسی حالات نے اسے قنوطی بنایا، تصوف نے اس میں روحانیت پیدا کی اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اخلاقی نصب العین اور تصور عطا کیا۔اسی نے اس کی آنکھیں اندر کی طرف کھولیں۔

دبستان دہلی میں اردو شاعری کا رواج یوں تو ولی کی دہلی آمد سے پہلے بھی ملتا ہے لیکن اس جانب شمالی ہند کے شعرا نے خاطر خواہ توجہ نہ دی تھی لیکن جب ۱۷ویں صدی میں ولی دہلی آیا اور اس کا اردو کلام دہلی کے شعرا نے دیکھا تو یہ محسوس کیا کہ اس زبان میں بھی بہتر طور پر شاعری کی جاسکتی ہے جس کے بعد دہلی کے شعرا نے اس جانب توجہ دینی شروع کی۔ولی کی آمد کے بعد اردو شاعری کی طرف توجہ تو دی گئی لیکن اس میں ایہام گوئی رواج پا گئی۔اس کی ایک بڑی وجہ یہاں کے شعرا کا فارسی سے متاثر ہونا بھی ہے۔ایہام گوئی میں حاتم، آبرو، مضمون، شاکر ناجی، یک رنگ اور یقین وغیرہ نے خوب خوب طبع آزمائی کی۔لیکن یہ ایسا میدان نہیں تھا جس میں تادیر اور دور تک دوڑا جاسکے۔نتیجہ یہ ہوا کہ بعد کے دنوں میں حاتم نے خود اپنے دیوان کو ترمیم وتنسیخ کے بعد دوبارہ شائع کیا جس میں ایہام کے اشعار سے پرہیز کیا گیا۔دراصل حاتم کے بعد کا جو عہد تھا اس میں ایہام گوئی کو معیوب سمجھا گیا۔حاتم نے لمبی عمر پائی تھی ان کا سلسلہ بعد کی نسل سے بھی رہا جس میں میر، سودا، درد، مظہر اور سوز وغیرہ نے شاعری کو ایک نئی بلندی عطا کی۔اس کے بعد مرزا اسداللہ خاں غالب، مومن خاں مومن اور شیخ ابراہیم ذوق وغیرہ نے اردو شاعری خصوصاً کو نئی آب وتاب عطا کی اور غزل کے موضوعات کو وسیع کیا۔

دبستان دہلی کے مذکورہ بالا شعرا کی صف کے بعد ایک اور صف آراستہ ہوتی ہے جو اردو غزل کی آبیاری تن من سے کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ان میں داغ دہلوی کا توتی بولتا ہوا نظر آتا ہے۔ان کے علاوہ مولانا الطاف حسین حالی، سالک، شیفتہ، ظہیر اور انور وغیرہ زلف غزل کی مشاطگی کرتے ہیں۔

المختصر یہ کہ دبستان دہلی اردو ادب کا پہلا اور نہایت معتبر دبستان ہے جس کے شعرا نے قلعہ معلیٰ کی زبان وادب کی نمائندگی کی اور اسے نئی بلندیوں سے ہم کنار کیا۔دبستان دہلی کی شناخت ایک ایسے دبستان کی ہے جس کا شعری سرمایہ معتبر ہی نہیں محترم بھی تسلیم کیا جاتا ہے اور اس دبستان کے شعرا کو اولیت حاصل رہی ہے۔

ڈاکٹر توقیر عالم توقیر

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ اردو، مولانا مظہرالحق عربی وفارسی یونیورسٹی، پٹنہ